ڈاکٹر تبسم کاشمیری

آزادؔ کا عالم دیوانگی

Molvi Muhammad Hsain Azad was a prominent poet, critic and reformer of nineteenth century. He served a lot for the development of urdu language and literature. Unfortunately he suffered in some mental disabilities after 1857.More specifically the peek of his Abnormality started in 1885 and in 1890 he was declared an abnormal person. There are many reasons of this suffering and also many aspects of this abnormality. This article deals with these reason and aspects and other related features.

آزادؔ کی شخصیت کا جائزہ لیجئے تو اسے ہم چار ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ (۱) ۱۸۵۷ء سے قبل کا دور (۲) ۱۸۵۷ء کے بعد صعوبتوں کا دور (۳) ۱۸۶۱ء ملازمت حکومت پنجاب سے امتہ السکینہ کی وفات، ۱۸۸۵ء کے لگ بھگ کا دور (۴) ۱۸۸۵ء کے قریب جنون کے ابتدائی آثار ظاہر ہوئے۔ اس میں شدت ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئی۔ جبکہ ضلع لاہور کے جج ہیریس (Wa. Harris) نے اپنے حکم مورخہ ۳/ مئی ۱۸۹۰ء کے مطابق انہیں دیوانہ قرار دیا۔

نفسیاتی طور پر ان ادوار کا تجزیہ کریں تو ان سے آزاد کی سائیکی (Psychy) کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۸۵۷ء سے قبل کے دور میں آزاد کے ہاں ایک پر امن مطمئن اور نارمل سائیکی کی شکل ابھرتی ہے۔ جس میں وہ اپنے معزز خاندان کے ساتھ دلّی میں باعزت طور پر امتیازی حیثیت سے زندگی بسر کرتے نظر آتے ہیں۔ تہذیبی و ثقافتی طور پر وہ اپنے عہد کی روایات سے پر خلوص محبت رکھتے ہیں۔ ماضی کا تہذیبی سرمایہ ان کی شخصیت میں وضع داری پیدا کرتا ہے۔ ان کے والد دلّی کے علمی و شاہی حلقوں میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، اور انہیں انتہائی قدر و منزلت حاصل ہے۔ دلّی اردو اخبار کے حوالے سے صحافتی میدان میں بھی باعزت مقام حاصل تھا۔ اس کام میں آزادؔ مولوی محمد باقر کے شریک کار تھے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں آزادؔ ایک نارمل سائیکی رکھتے تھے۔

سائیکی داخلی دنیا کا ایک مکمل تصور ہے جو شعور و لاشعور کے اجزا سے مرتب ہوتا ہے گویا آزادؔ شعوری اور لاشعوری طور پر ایک نارمل سائیکی کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہوئی، جس میں مولوی باقر نے بھرپور شرکت کی۔

’’دلی اردو اخبار‘‘ جنگ آزادی کی تحریک کا ترجمان تھا۔ اس میں مجاہدین کی سرگرمیوں کی خبریں شائع ہوتی تھیں اور باقاعدہ طور پر اعلان نامے چھپتے تھے اور ہدایات جاری ہوتی تھیں۔ جنگ آزادی کے دوران میں ’’دلی اردو اخبار‘‘ میں ’’اخبار الظفر‘‘ کا اضافہ کر دیا گیا تھا، جو بہادر شاہ ظفر کی رعایت سے تھا۔ اس اخبار میں انگریزوں کے خلاف ایک فتویٰ بھی شائع ہوا تھا جس کا متن یہ تھا۔

استفتا:

> ’’کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ انگریز دہلی پر چڑھ آئے ہیں اور اہل اسلام کے جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد فرض ہے یا نہیں؟ بیان کرو۔‘‘ (۲)
>
> ’’درصورت مرقومہ فرض عین ہے، اوپر اس شہر کے تمام لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے۔ اس کی فرضیت کے واسطے چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے۔ اور یہ سبب کثرت اجماع افواج کے اور موجود ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا؟ اور اطراف وحوال کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے ہاں اگر اس شہر کے لوگ عاجز ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا۔‘‘ (۳)

جس زمانے میں یہ فتویٰ دلّی اردو اخبار میں شائع ہوا، آزادؔ بحیثیت مدیر اس اخبار سے متعلق تھے۔ اس دور میں آزاد کے قلم سے مجاہدین کی حمایت میں خبریں اور شذرات کی اشاعت جاری رہی اور جب بالآخر دلّی میں مجاہدین کا زور ٹوٹ گیا اور کمپنی کی افواج شہر میں داخل ہوئیں تو مولوی محمد باقر کو گرفتار کر کے دلّی دروازے کے باہر مجرموں کے کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں پر بعد ازاں پھانسی دے دی گئی۔ اس عالم میں آزاد خاندان کے ساتھ بے سر سامانی کی حالت میں دلّی سے نکلے۔ اس حالت کی تفصیلات بعد میں بیان کی جائیں گی یہاں محض ایک دو منظر پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس شدید صدمے کا اندازہ کیا جا سکے گا۔

بڑا بھیانک سماں تھا۔ نفسا نفسی کا عالم، جان اور عزت کا خطرہ، جن مخدرات عصمت مآب کو شعاع آفتاب نے بھی برہنہ سر نہ دیکھا تھا۔ وہ بدحواس اور ننگے سر بچوں کو سینے سے لگائے گھر سے نکل کھڑی ہوئیں۔ گھر سے نکل کر آزاد اپنے درماں نصیب کنبے کو لے کر حیران و پریشان قریب کی ایک گلی میں جا بیٹھے جو اب بھی دھوبی واڑے کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں بیٹھ کر یہ تجویز ہوئی کہ کسی صورت سے شہر سے باہر نکلا جائے کہ یکا یک ایک گولہ زمین پر آ گرا۔ سب لوگ چونک پڑے اور آزاد کی شیر خوار بچی ایسی دہلی کہ اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ یہ بچی کئی دن تک اس عالم میں رہی اور آخر کار اللہ کو پیاری ہو گئی۔ (۴)

انگریزوں نے دلّی پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے جاسوسی نظام سے ملنے والی اطلاعات کی بنیاد پر بغاوت میں شریک ہونے والوں کی فہرستیں تیار کیں اور ان کے مطابق جنگ آزادی کے مجرموں میں آزاد کا نام بھی شامل تھا۔ ان کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے اور گرفتاری کے لیے بقول آغا محمد باقر پانچ سو روپے کا انعام مقرر کیا گیا، کہ آزادؔ بچتے بچاتے مختلف مقامات پر چھپتے ہوئے، مدت تک بحالت گمنامی پھرتے رہے بالآخر معافی کا اعلان ہوا تو ملازمت کے لیے ۱۸۶۱ء میں لاہور پہنچے۔ (۵)

۱۸۵۷ء کے حادثات نے آزادؔ کے اعصابی خلیوں (Nerve cells) کو شدید نقصان پہنچایا، یہ حادثات ان کے لاشعور میں ایک کربناک اذّیت کی شکل میں دم آخر تک موجود رہے اور اس اذّیت نے ان کی سائیکی کو ۱۸۸۵ء کے بعد جس شکست و ریخت کے قریب کیا اس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

سائیکی کا عمل زندہ عضویاتی عمل ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ مسلسل ترقی کرتا ہے۔ یہ عمل شعور و لاشعور میں جاری رہتا ہے۔ شعور و لاشعور کی حیثیت ایک فیصلہ کن جزو کی ہے جو خارجی دنیا کے ساتھ رویوں کا تعین جاری رکھتا ہے۔ شعور کی طرح لاشعور بھی مسلسل تبدیلیوں سے گزرتا رہتا ہے۔ اگرچہ لاشعور کی ان تبدیلیوں کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا، مثلاً کسی فرد کا یہ کہنا کہ اس کے نظریات گذشتہ برس کی نسبت تبدیل ہو چکے ہیں تو اس میں شعور و لاشعور کی مسلسل تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ آزادؔ

کے ہاں بھی اسی قسم کی صورت بنتی ہے۔ معروضی حالات کے باعث، شعوری و لاشعوری طور پر وہ حکومت سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس کے سوا زندہ رہنے کی اور کوئی سبیل نہیں تھی۔ لہذا ان کی سائیکی مفاہمت کے عمل سے گزرتی ہے جس میں ایک مکمل سمجھوتہ پایا جاتا ہے۔ اس دور میں ان کی جو سائیکی نظر آتی ہے، اس میں بظاہر سطح پُرسکون و اطمینان ہے۔ یہ نارمل ہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے حادثات حکومت کے خوف کے باعث لاشعور میں دب کر رہ گئے تھے۔ آزاد جب ۱۸۸۵ء کے بعد جنون میں مبتلا ہوتے ہیں تو لاشعور کا یہ اضطراب تلخیوں کے ساتھ ابھر آتا ہے۔

آزاد نے ۱۸۶۱ء میں حکومت کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور اب نئے معروضی حالات میں زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے لیے آزاد نے ایک مختلف ''پرسونا'' (Persona) اختیار کر لیا۔ جس میں عالم جنون تک انہوں نے زندگی بسر کی۔ پرسونا ایک یونانی لفظ ہے جس کا مطلب ماسک (Mask) ہے جو یونانی اداکار پہنا کرتے تھے۔ یونگ کی نفسیات میں ''پرسونا'' کسی فرد کا وہ ماسک ہے جو وہ معاشرے میں استعمال کرتا ہے۔ معاشرے میں افراد سے ہم اپنی عریاں ایغو (Naked Ego) کے ساتھ پیش نہیں آتے، بلکہ ایغو کے ساتھ وہ رویے بھی رکھتے ہیں جو خارجی دنیا کے ساتھ ہم کو ہم آہنگ کرتے ہیں، خارجی دنیا سے اس تعلق کو یونگ پرسونا کہتا ہے۔ لیکن ان کے نزدیک پرسونا کا مطلب شخصیت کا دھوکا نہیں ہے بلکہ پرسونا وہ شکل ہے جس میں ہم خارجی دنیا کے سامنے نمودار ہوتے ہیں۔ مثلاً اس کی مثال کچھ اس قسم کی ہے کہ جیسے ہم روزانہ زندگی میں کپڑے پہنتے ہیں، یہ کپڑے ہماری عریانی کو ڈھانپتے ہیں اور ان سے ہماری فطرت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

۱۸۶۱ء کے بعد آزاد نے اپنے انقلابی کردار کی نفی کر کے ایک پر امن ادیب کا پرسونا اختیار کر لیا۔ اگرچہ اسے اختیار کرنے میں انہیں شعور سے شدید تصادم کرنا پڑا ہوگا۔ اور پھر مفاہمت کی اس صورت کو مستحکم کرنے اور اسے استمراری شکل دینے میں آزاد کو خود اذیتی کی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا ہوگا۔ باپ کے خون کی سرخی لاشعور میں ان کے لیے عذاب بنی رہی۔ شب و روز کی مفاہمی کوششوں اور زندہ رہنے کی خواہش نے اس سرخی کو نیم تاریک کر دیا اور پھر ان کے اندر اک زبردست تخلیق کار موجود تھا۔ اس تخلیق کار نے اپنے اظہار کی بہترین قوتوں کی نمود کے لیے ہر ممکن حد تک پرانے عذاب سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

ملازمت کے دوران میں آزاد کو بہترین مواقع ملے۔ شمس العلماء کا خطاب ملا اور معاشرے میں ہر طرح کی قدر و منزلت حاصل ہوئی۔ ۱۸۶۵ء کے سیاسی مشن کے ذریعے انہوں نے اپنی وفاداری اور جان نثاری کا ثبوت بھی فراہم کر دیا اور یوں ان کا پرسونا مزید پختہ بنیادوں پر استوار ہونے لگا۔

نئے پرسونا کی تشکیل کے باوجود آزاد کے ہاں احساس پدری کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ مولوی ممتاز علی کے ایک بیان سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ عالم جنون کے مستقل دور سے پہلے بھی آزاد مختصر وقفوں کے لیے اس جنون کی شکلوں میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ مثلاً ممتاز علی کے بیان سے ان کے ہاں ایک (Psychosomatic) حالت ظاہر ہوتی ہے۔ دیوانگی سے قبل وہ فتق (Hernia) کے عارضے میں مبتلا تھے۔ جس کی شدت نے ان کے ہاں نفسی کیفیت پیدا کر دی۔ یہ کیفیت بدنی اور نفسی طور پر نہایت شدید تھی جس سے آزاد احساس پدری کی صورت میں نجات پاتے ہیں۔ اس پوری واردات کو مولوی ممتاز علی کی زبانی سنیے:

''عالم دیوانگی کے ظہور سے پہلے بھی مولانا پر روحانی جذبات کا غلبہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولانا بعارضہ فتق بیمار تھے، آپ اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی پروفیسر کی خدمت انجام دیتے تھے، رات کے وقت غلبہ مرض کی وجہ سے شدید تکلیف ہوئی۔ آدھی رات کے بعد مولوی ممتاز علی صاحب کو اپنے مکان پر بلا بھیجا۔ یہ اسی وقت گئے اور...... حالت دیکھ کر مایوس و پژمردہ خاطر ہوئے، بالآخر دوا دارو کا انتظام کر کے اپنے گھر واپس چلے آئے۔ صبح کو کچھ دن چڑھے مولانا نے میر

صاحب کو پھر بلوایا۔ انہوں نے جا کر دیکھا تو بالکل تندرست پایا۔ مولانا نے کہا میری صحت یابی کا عجیب واقعہ ہے دل لگا کر سنو۔

> ’’اس کرب اور تکلیف کی حالت میں مجھے آسمان پر کچھ آدمیوں کے بولنے کی آواز آئی۔ میں نے بہت غور سے دیکھا تو اس مجمع میں میرے والد مولوی محمد باقر بھی گفتگو کرتے معلوم ہوئے۔ ایک اور شخص کسی دوسرے آدمی کو کوئی بات سمجھا رہا تھا۔ مگر وہ اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ یہ کیا مشکل معاملہ ہے جو اس کی سمجھ نہیں آیا۔ مولوی باقر نے پوچھا کیا تم سمجھ گئے ہو۔ میں کہا ہاں سمجھ گیا ہوں، چنانچہ میں نے ان کو اس کا مطلب اچھی طرح سمجھا دیا۔ وہ آدمی جو مسئلہ سمجھا رہا تھا، میرے والد سے پوچھنے لگا کہ یہ کون شخص ہے، انہوں نے جواب دیا بندہ زادہ ہے، یہ سن کر اس نے کہا تو اسے بھی ساتھ کیوں نہیں لے لیتے، مگر میرے والد نے کچھ عذر کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ مجھے پوچھنے والا کون شخص ہے۔ انہوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم علاج کیوں نہیں کر دیتے، مولوی محمد باقر نے جواب دیا۔ میں کس طرح علاج کر سکتا ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تدبیر بتائی کہ تم اس کے پیٹ میں اتر کر اس کی انتڑیوں کو اپنے ہاتھ سے ٹھیک کر دو۔ چنانچہ اس کے بعد مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا مولوی محمد باقر میرے پیٹ میں اتر گئے، جب ان کو یہاں دیر لگی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز دی۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ انتڑی درست کر رہا ہوں آتا ہوں۔ یہ آواز اس طرح آتی تھی گویا مولوی صاحب میرے پیٹ میں بول رہے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے والد سے کہا، علاج تو ہو گیا مگر کوئی پرہیز، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا ہمارے علاج میں کسی پرہیز کی ضرورت نہیں۔ مگر میں اس پر اصرار کرتا رہا۔ آخر انہوں نے کہا دہی کے ساتھ تربوز کھایا کرو۔ مولوی ممتاز علی صاحب نے کہا کہ اس کے بعد ہم نے مولانا آزاؔد کے مکان میں تربوز کے چھلکے اور دہی کے دونے اکثر پڑے دیکھے: (۷)

آزاؔد کی اس (psychosotic) حالت سے احساس پدری کے ذریعے سکون حاصل کیا ہے۔ باپ کا امیج، ایک بنیادی امیج کے طور پر ان کی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف صورتوں میں موجود رہتا ہے۔ عنفوان شباب میں وہ باپ کے سائے سے محروم کر دیئے گئے تھے لیکن جب وہ نفسی کیفیات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ امیج مجسم اور زندہ ہو کر ان کے دکھوں کا مداوا کرتا ہوا ملتا ہے۔ فتق کے نہایت تکلیف وہ عارضے میں وہ اسی امیج کی بدولت اپنی نارمل حالت کی طرف لوٹتے ہیں، مستقل طور پر جنون میں مبتلا ہونے سے قبل کے یہ واقعات پدری احساس کی صورت پیش کرتے ہیں۔

آزاد اپنے پرسونا میں نہایت مطمئن زندگی بسر کر رہے تھے کہ ۸۵۔۱۸۸۴ء میں کچھ ایسے حادثات مسلسل طور پر ہوئے جن سے ذہنی طور پر انہیں سخت نقصان پہنچا۔ ان حادثات کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مکان کو آگ لگنے سے نقصان ہوا۔

۲۔ اس آگ میں مولانا آزاد کی پھوپھی، جنہوں نے آزاد کو ماں کی محبت دی تھی جل گئیں۔ اس واقعہ کا آزاد کے ذہن پر سخت صدمہ پہنچا۔

۳۔ ان کی نہایت پیاری بیٹی امتہ السکینہ عنفوان شباب میں فوت ہو گئی۔

اس آخری صدمے نے ان کی ذہنی حالت کو نقصان پہنچایا۔ بقول آغا محمد باقر:

’’آخری صدمہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ جب یہ ہوش ربا خبر پہنچی تو ان کا دماغ بے قابو ہو گیا۔ تجویز

> پایا کہ وہ پٹیالے (بیٹی کے سسرال) جائیں۔ سامان سفر باندھ لیا گیا۔ اور وہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گئے ،لیکن مسلسل کئی گھنٹے غسل خانے ہی میں رہے، لاکھ دروازے کھٹکھٹائے ،لیکن نہ کھولے۔ یہاں تک کہ ریل گاڑی کا وقت گزر گیا۔ غرض دوسرے دن روانہ ہوئے لیکن اسی صدمے سے ان کا دماغی توازن بہت ہی زیادہ خراب ہو گیا۔“ (۸)

آزاد نے خود بھی ان صدمات اور اس المناک موت کا ذکر کیا ہے۔

> ”ان دنوں تقدیر سے مجھے چند دل شکن صدمے پہنچے۔ جن میں سے سخت صدمہ ایک جوان بیٹی کی موت تھی۔ جو حقیقت میں سات بیٹوں سے گراں بہا تھی۔ اس کے مرنے سے میرا دل ٹوٹ گیا۔ اور اکثر ہوشمندوں کو جنون کا شبہ ہو گیا۔ پٹیالے اور لاہور میں اس کا چرچا بھی ہوا۔“ (۹)

اس دور کے حادثات کا ذکر کرتے ہوئے آزاد کے ایک جسمانی عارضے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

> ”بواسیر کی تکلیف بھی روز افزوں تھی جس سے سیروں خون روزانہ ضائع ہو جاتا تھا۔ (۱۰)

خون کے اس بے تحاشا ضیاع کے باعث وہ جسمانی کمزوری کا شکار ہوئے۔ اور اس کے ساتھ بیٹی کی موت ان کے لیے ذہنی مسئلہ بن گئی۔ جس سے وہ ابتدائی طور پر نفسی بدنی کیفیت (Psychosomatic State) میں مبتلا ہو گئے، لیکن اس کیفیت میں ان کے اعصابی خلیے (Nerve Cell) زیادہ متاثر نہ ہوئے، کیونکہ وہ جلد ہی اس کیفیت سے نجات حاصل کر گئے۔ اور اعصابی سکون کے لیے ستمبر ۱۸۸۵ء میں ایران کی سیاحت پر روانہ ہو گئے۔

ایران سے واپسی پر، آزاد تصنیف و تالیف کے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ ۱۸۸۸ء میں وہ اس سلسلے کے سب سے اہم کام کو مکمل کر رہے تھے۔ یہ تھا دیوان ذوق کی ترتیب و تدوین کا مسئلہ، جسے ایک مقدس فرض سمجھ کر آزاد نے پورا کیا۔ دیوان ذوق کے دیباچے میں وہ اس کام کی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

> ”ان کے کلام کی ترتیب آسان کام نہیں۔ صدہا شعر ہیں کہ لوگوں کے پاس کچھ لکھتے ہیں۔ دیوان مرّوجہ (مرتبہ حافظ ایران) میں کچھ چھپے، اور ان کی زبان سے کبھی کچھ سنے، کبھی کچھ سنے، پھٹے پرانے مسودے،......لڑکپن سے بڑھاپے کی یادگار ہیں۔ والد مرحوم کے ہاتھ کی بہت سی تحریریں ہیں۔ بہت کچھ میری قسمت کے نوشتے ہیں کہ حاضر و غائب لکھتا اور جمع کرتا تھا۔ کٹے پھٹے اشعار کا پڑھنا، مٹے حرفوں کا اجالنا، اس زمانے کے خیالات کو سمیٹنا، حالتوں کا تصور باندھنا، بھولے ہوئے الفاظ و مطالب کو سوچ سوچ کر نکالنا میرا کام نہ تھا۔ خدا کی مدد اور پاک روحوں کی برکت شامل حال تھی۔ میں حاضر اور خدا ناظر تھا۔ راتیں صبح ہو گئیں اور دن اندھیرے ہو گئے، جب یہ مہم سرانجام ہوئی ہے۔ (۱۱)

یہ مہم جن حالات میں سرانجام دی گئی، اس کا منظر نامہ مولوی خلیل الرحمٰن کی زبانی سنئے کہ جو اس حالت کے عینی شاہد تھے۔

> ”سخت گرمی، جون کا مہینہ، دیوان ذوق، کی ترتیب میں دن رات کی (بلا مبالغہ) مصروفیت، کتب خانے گیا تو ہر طرف سے دروازے بند، دستک دے کر ایک دروازہ کھلوایا اور فوراً بند کر دیا گیا، اندر اندھیرا گھپ، منت سماجت کر کے دروازہ کھلوایا۔ دیکھا کہ رقعہ متذکرہ بالا کے پانچ چھ (یا زیادہ ٹھیک یاد نہیں رہا کہ کتنے) مختلف الٹ پھیر کے ساتھ مسودے میز پر پڑے ہوئے ہیں۔“ (۱۲)

ڈاکٹر محمد صادق کی رائے میں دیوان ذوق پر صرف کی گئی محنت شاقہ نے آزاد کے دماغی توازن کو بگاڑ دیا اور اسی ترتیب کے کام کے دوران میں وہ جنون کا شکار ہوئے۔

> ”اس محنت کی انہیں خوفناک قیمت ادا کرنی پڑی۔ آزاد کی دیوانگی کا راز دیوان ذوق کی ترتیب میں مضمر

ہے۔(۱۳)

جنون کے آثار پیدا کرنے میں دیوان ذوق کی ترتیب کا کتنا ہاتھ تھا۔ اس کے بارے میں مولوی خلیل الرحمٰن کا بیان دیکھئے:

> ’’ان میں دیوانگی کا مادہ پہلے ہی تھا۔ غدر کے مصائب کی یاد، طبیعت کی بدگمانی، بہو سے شکایت وغیرہ۔ رفتہ رفتہ کام کرتے رہے۔ اس پر قیامت یہ ہوئی کہ دیوان ذوق کی ترتیب شروع کر دی۔ اس میں دن رات کا انہاک و استغراق رہا۔ راتوں اسی ادھیڑ بن میں لگے رہتے۔ استاد کی غزلیں پوری کرتے۔ گرمیوں میں اس پر محنت زیادہ ہوئی، نیند میں کمی آ گئی۔ دیوان تو جوں توں کر کے چھپ گیا مگر مراق کی کیفیت پیدا ہوگئی؟ (۱۴)

بے خوابی اور مراق کی بڑھتی ہوئی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر رحیم خان نے اس کا علاج نیند تجویز کیا۔ انہوں نے دوا تجویز کی اور کہا کہ کسی کھانے میں ملا کر دی جائے۔ مولانا کو دہی مرغوب تھی، اس میں دوا ملا دی گئی، اس پر شبہ ہو گیا تو دہی کھانی چھوڑ دی۔

آزاد نے زندگی بھر میں بے شمار کتابیں تصنیف کیں، اس کے علاوہ تدوین کا کام بھی کیا۔ عالم جنون ہو یا مکمل ہوش کا زمانہ انہوں نے معمول کے مطابق کمرے میں بیٹھ کر کام کیا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ آخر دیوان ذوق کی تدوین کے دوران میں انہوں نے شدید گرمی اور حبس کے عالم میں اپنے آپ کو بند کیوں کر لیا، آخر اتنا راز برتنے کی کیا وجوہات تھیں؟ اور اس کام کو پوشیدہ طور پر کرنے کا مطلب کیا تھا؟ اس بارے میں پہلے پروفیسر محمود شیرانی اور ڈاکٹر محمد صادق نے یہ نشاندہی کی کہ آزاد نے تدوین دیوان ذوق کے دوران استاد کا مرتبہ بلند کرنے کے لیے بہت سا کلام اپنی طرف سے بھی ڈال دیا۔ بقول ڈاکٹر صادق:

> ’’آزاد نے دیوان ذوق میں کوئی دو درجن غزلیات اور قصیدوں پر توضیحی نوٹ لکھے ہین، جن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ نظر ثانی کے نور سے فیض یاب نہیں ہوئے۔ ہمارے پاس یہ بات ثابت کرنے کے لیے ناقابل تردید دستاویزی شہادت موجود ہے کہ یا تو آزاد کے پاس ان کے اصلی مسودات ایسی غیر تسلی بخش حالت میں پہنچے کہ ان کا پڑھنا مشکل تھا یا صریحاً مسخ شدہ یا نامکمل تھے۔ بہتر ہوتا کہ وہ ان کو چھوڑ دیتے، لیکن وہ انہیں گوشۂ گمنامی سے باہر نکالنے پر کمر بستہ تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کی اصلاح و تہذیب کا تہیّہ کیا۔ بعض درستیوں، ترمیموں اور اضافے کے لیے بے شک انہوں نے اپنے حافظے پر بھروسہ کیا ہوگا لیکن بعض میں یہ وسیلہ بھی ناکام رہا اور انہوں نے اپنی ادارتی ذمہ داری ہی پر اکتفانہ کیا، بلکہ فرط جوش سے کئی قدم آگے بڑھ کر از سر نو لکھ ڈالا۔ بنا بریں ہم اسے کلام ذوق تسلیم کرنے سے انکار کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس قسم کی از سر نو تحریر و تصنیف کے لیے، جسے ’’ایجاد بندہ‘‘ کہنا بے جانہ ہوگا، ہم قارئین کی توجہ ان دو عکسی نقول کی طرف منعطف کراتے ہیں، جو دو غزلوں سے تعلق رکھتی ہیں اور ضمیمے کے آخر میں درج ہیں۔ بعض مقامات پر ترمیمات اس قدر زیادہ نہیں پھر بھی ہیں تو سہی، ان غزلوں اور قصائد کی فہرست پیش کی جاتی ہے جن کے مسودات ہماری ملکیّت میں ہیں۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گو۔ یہ کلام الحاقی نہیں، پھر بھی اس کا کلام ذوق ہونا شبہ سے خالی نہیں۔ (۱۵)

ہمارے خیال میں اس ادبی بد دیانتی نے آزاد کے ذہن کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس احساس جرم نے انہیں کم آمیز بھی بنا دیا۔ جنون کے آغاز میں مولانا کے ذہنی خلیوں کو جو نقصان پہنچا اس سے ان (Neurosis) کی ابتدائی صورتیں پیدا ہوئیں (Neurosis) کی صورت انسانی ذہن میں اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان کی زندگی میں بار بار شدید ناپسندیدہ واقعات رونما ہوں اور ان سے انسان ذہنی طور پر شدید اذیت محسوس کرے۔ یوں تو عام انسانی زندگی میں بارہا ایسے واقعات و حادثات پیش آتے رہتے ہیں اور انسانی ذہن ان کو جذب کر کے لاشعور میں پھینکتا چلا جاتا ہے اور اسی طرح شدید اذیت کا

کرب، اپنے صدمات کے اثرات کم کرتا رہتا ہے، لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ شدید طور پر ناپسندیدہ واقعات یا شدید صدمات، ایسی زبردست صورت پیدا کر دیتے ہیں جس سے انسانی ذہن میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے اور ذہن کو یہ عارضہ لاحق ہوجاتا ہے جس کا مداوا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس عارضے کا مریض یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ آزاد کے ہاں درحقیقت یہ عارضہ بالآخر (Psychosis) میں تبدیل ہوجاتا ہے اور اس کی صورت (Detriorative Psychosis) کی ہے جس میں بتدریج وہ ذہنی شکست وریخت کے عمل سے گزرتے ہیں۔ (Psychosis) میں مریض کی کیفیت لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہے، ایک وقت میں وہ بظاہر ٹھیک ہوتا ہے مگر دوسرے وقت میں فوراً اس کی ذہنی حالت متغیر ہوتی ہے اور وہ آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔ یہی صورت آزاد میں تھی۔ جس کی شہادت مولوی خلیل الرحمٰن دیتے ہیں:

> ''دیوانگی عجیب تھی۔ پانچ دس منٹ، بعض اوقات آدھا پونا گھنٹہ بہت اچھی طرح باتیں کررہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ دماغ پر کوئی اثر نہیں، حافظہ اور دل اچھا ہے۔ اور یکا یک دیوانگی شروع ہوگئی۔ لوگ دھوکے میں رہ جاتے اور حیران ہوتے تھے۔'' (۱۶)

(psychosis) میں انسان اپنے محسنوں اور دوستوں کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے جس کی ایک مثال ذکاءاللہ کی ہے جس کا ذکر مولوی خلیل الرحمٰن کرتے ہیں:

> ''ارے تجھے خبر بھی ہے میرے ساتھ کیا دغا ہوئی؟''۔ پوچھا ''خیریت؟'' کہنے لگے کہ میرے ساتھ ذکاءاللہ نے پھر دغا کی، اس کی ماں......اس کی بہن......میں ایک روز ہواخوری میں دہلی پہنچ گیا۔ ذکاءاللہ نے بڑی خاطر سے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے مکان میں ٹھہرایا۔ مجھے کیا معلوم اس کے دل میں کیا دغا ہے۔ اس مکان کے قریب ایک بارات آ کر ٹھہری۔ مجھ سے آ کر کہنے لگا کہ آزاد۔ تو بھی برات دیکھ آ۔ میں گیا برات والوں نے مجھے دیکھا تو شور مچایا کہ آزاد آیا۔ آزاد آیا۔ مجھے بڑی خاطر سے دولہا کے قریب بٹھا دیا۔ مجھے کیا خبر کہ ذکاءاللہ نے اس کی......کیا فریب کیا ہے۔ اب جو نکاح بندھنے لگا تو نکاح اور مہر کے ساتھ مجھے بھی باندھ دیا، اور ایسا جکڑا کہ رسوں کے بندھنوں سے اب تک میرے بدن میں درد ہو رہا ہے۔ جس طرح ہوسکا میں رسوں کو توڑ کر ابھی چلا آ رہا ہوں۔'' (۱۷)

سائیکوسس (Psychosis) کا شکار ہونے والے مریض کی شخصیت کی اکائی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد شخصیت پر اوہام سوار ہونے لگتے ہیں اور بہت جلد وہ مرحلہ بھی آجاتا ہے کہ حقیقی زندگی کے معمولات سے مریض کا رشتہ کٹ جاتا ہے اور وہ غیر حقیقی زندگی سے مربوط ہوجاتا ہے۔ اوہام کے جال میں الجھتا جاتا ہے۔ غیر حقیقی آوازیں سننا اس کا معمول بن جاتا ہے۔ آزاد کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آئی تھی۔ روحیں بلانے کا عمل اسی کا نتیجہ تھا۔ وہ کبھی میؔر کی روح کو طلب کرتے تو کبھی سوؔدا کی روح کو بلاتے تھے اور ہر ایک روح کو جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔ اسی طرح سے سرسید احمد خان سے ملنے نہ حالت جنوں جب وہ علی گڑھ جا پہنچے تھے تو اس ملاقات میں سرسید کو بتایا تھا کہ ابوالفضل کی روح میرے پاس آئی تھی۔ میرا اور ابوالفضل کا اکبر کے مذہب پر دیر تک مناظرہ ہوا تھا۔

آزاد عالم جنون میں دلّی ہی پیدل نہیں گئے تھے بلکہ انھوں نے اسی عالم میں علی گڑھ کا بھی ایک سفر کر ڈالا ان کے اس سفر کے متعلق مولوی عبدالرزاق کانپوری رقم طراز ہیں:

> ''......جنون کی حالت میں آزاد لاہور سے علی گڑھ آئے اور وہ بھی پیدل، پاؤں پر ورم آ چکا تھا۔ آبلوں پر کپڑے پھاڑ کر دھجیاں لپیٹی تھیں، جب سرسید کی کوٹھی پر پہنچے تو نوکروں سے اطلاع کرائی کہ سید احمد سے کہہ دو کہ تمھاری ملاقات کے لیے آزاد لاہور سے آیا ہے، آزاد کا نام سنتے ہی سرسید چونک پڑے دیکھا تو واقعی شمس العلماء آزاد

> ہیں۔ ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے کرسی پر بیٹھتے ہی آزاد نے کہا: سید یہ بھی جانتے ہو کہ میں کیوں آیا ہوں؟'' سید صاحب نے فرمایا کہ محض میرے ملنے کے لیے آپ نے یہ تکلیف اٹھائی ہے، کہا نہیں خاص بات ہے سنو، کئی دن ہوئے کہ ابوالفضل کی روح میرے پاس آئی تھی میرا اور ابوالفضل کا اکبر کے مذہب الٰہی پر دیر تک مناظرہ ہوا ابوالفضل نے یوں کہا اور میں نے یہ جواب دیا (اوّل ابوالفضل کی تقریر فارسی میں دہراتے تھے اور اس کے بعد اپنا جواب سناتے تھے) وحیدالدین سلیم نے یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا۔ چنانچہ جس طرح سنا تھا اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ سلیم کا بیان ہے کہ سید صاحب نے مجھے متعدد فارسی جملے بھی سنائے تھے جواب یاد نہیں رہے، ابوالفضل کی تقریر آئین اکبری، اکبرنامے کی انشا سے ملتی جلتی تھی اور آزاد کا جواب بھی اسی لہجے میں تھا۔'' (۱۹)

آزاد کے ہاں (Deteiorative Pshychosis) نے بالآخر جو حالت بنا دی تھی اس کے آخری ایام کی تصویر ناصر نذیر فراق کے قلم سے محفوظ رہ گئی ہے، یہ تصویر انتقال سے محض چند برس پہلے کی ہے۔

''استاد امام باڑے کے برآمدے میں بیٹھے تھے اور جس ہیئت سے بیٹھے تھے اسے دیکھ کر میرا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ ایک میلی سی اچکن گلے میں تھی جس کی چولی میں پورے بٹن بھی نہ تھے۔ ایسا ہی میلا کچیلا ڈبل زین کا پاجامہ تھا۔ سر پر مغلئ وضع کی چکٹ ٹوپی اور پاؤں میں بہت ہی بوسیدہ جوتی تھی۔ ایک بوریئے پر بیٹھے تھے۔ ایک مٹی کی رکابی میں شوربا تھا اور ایک چنگیر میں چپاتیاں تھیں۔ چپاتی کا نوالہ بنا کر شوربے میں ڈبوتے تھے اور اسے منہ میں رکھ لیتے تھے اور دیر تک چبا کر مشکل سے نگل جاتے تھے۔ بوریئے کے ادھر ادھر کچھ راکھ، کچھ کوئلے اور کچھ کوڑا پڑا تھا۔ یہ وہی منظر ہے جو حضرت نے ''آب حیات'' میں سید انشاءاللہ خان کے آخری دور کا لکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا ''تم کون ہو''۔ میں نے کہا حضرت میرا نام ناصر نذیر فراق ہے دہلی سے محض آپ کی زیارت کے واسطے آیا ہوں۔'' فرمایا بھئی میں تمہیں نہیں پہچانتا۔'' میں نے پھر عرض کیا'' میں آپ کا شاگرد ہوں۔ کہا ہوگے، پھر فرمایا اچھا اگر تم میرے شاگرد ہو تو گرما گرم جلیبیاں تو لے آؤ۔ میں نے اسے بڑی سعادت سمجھا۔ دوڑا دوڑا گیا۔ گرم جلیبیاں تو نہ ملیں ٹھنڈی لایا اور لا کر سامنے رکھ دیں۔ ایک جلیبی ہاتھ میں اٹھائی اور فرمایا۔ بھلا میرے ہلتے ہوئے دانتوں سے ٹھنڈی جلیبیاں کب کھائی جائیں گی۔ اچھا اٹھا لو۔ میں نے اصرار کیا تو بگڑنے لگے۔ آغا یوسف مرحوم نے کہا۔ زیادہ نہ کہیے، انہیں برا بھلا کہنے لگیں گے، پھر کہا اچھا جاؤ یہاں سے'' میں اور آغا یوسف مرحوم امام باڑہ میں صدر دروازے میں آ کر ایک تخت پر بیٹھ گئے۔ آغا محمد یوسف مرحوم خاص دان میں پان میرے لیے لائے۔ میں نے کہا، آغا صاحب، مجھے مولانا کو اس زدہ حال میں دیکھ کر سخت افسوس ہو رہا ہے۔ آغا یوسف نے فرمایا۔ حضرت گور کا عذاب مردہ ہی خوب جاتا ہے۔ اگر دسترخوان میں روٹی لائی جاتی ہے تو دسترخوان جلا دیتے ہیں۔ چینی کی رکابیوں میں دال سالن دیا جاتا ہے نہیں توڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ تانبے کی رکابیاں غوریاں دیجئے تو بازار جا کر بیچ آتے ہیں، یا کسی راہ چلتے کو دے دیتے ہیں۔ سینکڑوں برتن غارت کر دیئے ہیں۔

دیوانگی کے زمانے میں آزاد کے لاشعور پر جو بات بری طرح مسلط رہی وہ انگریزوں کے مظالم تھے۔ وہ انگریز کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے تھے اور ان کو اپنے خاندان کی بربادی کا ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ اس مسئلہ پر ان کا غیض وغضب جو ہوش کے زمانے میں شعوری طور پر دبا دیا گیا تھا دورِ جنون میں شدت سے نمودار ہوا تھا، بس ذرا سا حوالہ آیا اور ان کے اندر انگریز کے خلاف خفتہ نفرت یک دم بیدار ہو جاتی تھی۔ میں نے آزاد کے خاندانی کتب خانہ میں جنون کے زمانے کے ایسے رسائل تقریباً پینتیس چالیس سال قبل دیکھے تھے کہ جن میں کسی انگریز کا ذکر آنے پر اس کو ماں بہن کی ننگی گالیاں لکھی ہوئی تھیں۔ نفرت کی شدت کا عالم یہ تھا کہ پوری تحریر کالی روشنائی سے خود لکھی تھی مگر جہاں کوئی گالی آ گئی تھی اسے سرخ روشنائی سے لکھا تھا۔

ان کے ذہن میں مئی ۱۸۵۷ء کے بعد سے انگریز کا خوف بھی موجود رہا تھا دلّی سے نکلنے کے بعد انھوں نے لمبا عرصہ بحالت خوف چھپتے چھپاتے گزارہ تھا۔ ہمہ وقت گرفتاری کا خیال ان کو گھیرے رہتا تھا۔ اس لیے ان کے ذہن سے یہ

بات یہ بات کبھی نہ نکل سکی کہ کہیں انگریز ان کو قید نہ کرلیں۔ ہم یہاں لاہور چیف کورٹ کے ایک جج کا واقع درج کرتے ہیں جس کے راوی آغا محمد باقر ہیں:

> ’’۱۸۸۹ء کا ذکر ہے کہ ایک دن میرے والد سے چیف کورٹ کے جج مسٹر جسٹس سر پلوڈن نے فرمایا۔ مولانا آزاد کی عالم وارفتگی کی کوئی تصویر موجود نہیں ہے انہیں اتوار کے دن میری کوٹھی پر لے آیئے تو میں ان کی تصویر لینے کی کوشش کرونگا جج صاحب موصوف سے مولانا کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس لیے انہیں جسٹس پلوڈن کے ہاں جانے کے لیے رضا مند کرلینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ یہ منصوبہ بنانے کے بعد والد صاحب نے مولانا کا چغہ اور عمامہ وغیرہ پلوڈن صاحب کے ہاں پہنچا دیا۔ جب مقررہ دن آیا تو وہ مولانا کو سیر کے بہانے ساتھ لیکر گھر سے نکلے اور باتیں کرتے کرتے انہیں جسٹس پلوڈن کی کوٹھی کے قریب لے گئے۔ اب انہوں نے مولانا سے کہا دیکھئے یہ پلوڈن صاحب کی کوٹھی ہے، وہ آپ کو بہت یاد کیا کرتے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں چلیے ان سے بھی مل لیجئے۔ مولانا بلا تامل کوٹھی میں داخل ہوگئے، پلوڈن صاحب پہلے ہی منتظر تھے۔ بڑے تپاک سے دو دیرینہ ملاقاتی آپس میں ملے۔ جج صاحب نے باتوں باتوں میں کہا۔ مولانا صاحب، یہ آپ کالج کا لباس کا موجود ہے۔ آپ اسے ذرا پہن لیجئے۔ میں آپ کو کالج کے لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں۔ مولانا راضی ہوگئے۔ کپڑے بدلنے کے بعد انہیں کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ پلوڈن صاحب نے نہایت پھرتی سے کیمرے کو درست کیا اور اس میں پلیٹ رکھ کر مولانا کی ایک تصویر اتار لی۔ وہ دوسری تصویر اتارنا چاہتے تھے کہ مولانا کی طبیعت مکدر ہوگئی۔ مولانا کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے، میرے والد قریب ہی کھڑے تھے۔ انہیں اشارے سے اپنے پاس بلایا اور چپکے سے کان میں کہا۔ یہ فرنگی مجھے اس (کیمرے) میں قید کرنا چاہتا ہے۔ مجھے یہاں سے جلدی لے چلو۔ میرے والد نے کہا۔ ایک منٹ ٹھہریئے۔ آپ اس شیشے کی طرف دیکھئے، میں ان سے اجازت لیتا ہوں۔ مولانا نے غضب آلودنگاہوں سے کیمرے کی طرف دیکھا اور پلوڈن صاحب نے دوسری تصویر کھینچ لی۔‘‘ (۲۰)

آزاد کے پرسونا (Persona) کی شکست وریخت کے بعد عالم جنون میں انہوں نے جو رسائل لکھے ان میں فرنگی سے بدلہ لینے کی بعض صورتیں ملتی ہیں ان کی مجروح سائیکی کا عمل فرنگیوں کی تحقیر کا سامان فراہم کر کے اپنے لیے تسکین کے ذریعے ڈھونڈنے میں معروف رہتا ہے۔ پنجاب کا لفٹیننٹ گورنر ایچی سن اس عمل میں ان کی تحقیر کا بالخصوص نشانہ بنا ہے۔ اپنے رسالے سیمکا ولیما میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ’’دیکھو! آج ہم نے فلسفہ دلّی میں پورا کیا۔ ایچی سن کے منہ پر ۲۷ شخصوں نے تھوکا اور ۲۸ شخصوں نے مکے مارے منہ پر۔ وہ روتا تھا۔ خادم حسین اس کے آنسو کپڑے سے چھوچھو کر اٹھاتا تھا۔ علی حسین کہتا تھا اب روتا کیوں ہے، مر کیوں نہ گیا۔‘‘ (۲۱)
>
> ’’ہم جانتے ہیں کہ اس نے کبھی اللہ کو نہیں مانا اور نہ مانے گا۔ آج ہم نے اسے لہنگا پہنوایا اور سر پر انگریزی ٹوپی رکھوائی۔ دونوں خلیفہ ایک اونٹ پر اور ۵۰ زن ومرد اور اونٹوں پر۔ حکم ہوا کہ شہر کے ہر ایک بازار میں انہیں گزارو۔ جب تک یہ پھرتے رہیں چراغ روشن رہیں۔ شہر کے لوگ عبرت سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہے غضب خدا کا۔ گورنر، گورنر جنرل ہو کر وہ کرے کہ یہ حالت ہو۔ ولایت ؟؟؟ دست گھوڑے پر آگے آگے پکارتا جاتا ہے یہ عبرت ہے۔ جنھوں نے دیکھا ہے اور دیکھیں اور جنھوں نے نہیں دیکھا، انہیں خبر دیں۔ یہ سزا ہوئی ہے اور حق آگاہ ہے کہ جو ظلم انہوں نے کیے ہیں ستم کیے ہیں اللہ نہ دکھائیو تو جو پروفیسر آزاد بیچارہ پر توڑا ہے اس لیے اس کے معصوم بچوں پر انہوں نے وہ ظلم کیے کہ دنیا میں کوئی کسی پر نہ کرے گا۔ نہ کرے گا۔ اب یہ ہیں اور میں ہوں اور انہیں کوٹلہ

> اور مالیر میں پھرانے کا حکم ہے۔ یہ حکم اللہ کا ہے۔ حکم ہے پارلیمنٹ کا۔ حکم ہے نواب برکت علی خان صاحب کا۔ ۵ تقریر اس کی لکھی گئی ہے اور کاغذ اس کے ہاتھ میں ہے وہ پڑھتا ہے۔ لوگ سنتے اور افسوس کرتے ہیں پروفیسر آزاد کی تباہی کا، گھر کی بربادی کا معصوم بچوں کی بے کسی کا۔ دادا اور باپ کی بے بسی۔ ۔! ‘‘(۲۲)

میرے خیال میں آزاد کے عالم جنون کو پیدا کرنے والے عوامل میں بیٹی کی وفات، دیوان ذوق کی تدوین سے زیادہ ۱۸۵۷ء کے واقعات کا گہرا اثر ہے۔ اصل حقیقت یہ بنتی ہے کہ ۱۸۶۲ء کے لگ بھگ سرکاری ملازمت کے دوران میں انہوں نے جس پرسونا کی تشکیل کی تھی اس میں بظاہر کامیابی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کی مفاہمت کا دور گزرتا گیا۔ لیکن یہ کربناک واقعات ان کا تعاقب بدستور کرتے رہے، جس کی شہادت مولوی خلیل الرحمٰن دیتے ہیں:

> ’’ایام غدر کے مصائب کا طبیعت پر بہت ہی زیادہ اثر تھا۔ نہ پوچھئے میں نے صبح کی ہوا خوری یا شام کی فرصت میں بار بار چھیڑا اور انجام آنسوؤں پر ہو۔ ‘‘(۲۳)

اس کے بعد اس پرسونا کی شکست ریخت ہو جاتی ہے اور اعصابی خلیے ٹوٹ پھوٹ کر بکھرنے لگتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں ان کے والد کو پھانسی کی سزا دی گئی، سزا سے کچھ عرصہ پہلے آزاد سائس کے روپ میں باپ کے پاس پہنچے جو قید فرنگ میں زندگی کے آخری ایام بسر کر رہے تھے۔ اس منظر کی تصویر دیکھئے۔

> ’’مولوی محمد باقر نے بہت دیر کے بعد نظر اٹھائی تو تھوڑے فاصلے پر اپنا پیارا، لاڈوں کا پالا، جگر گوشہ سائیسوں کے لباس میں کھڑا نظر آیا۔ ایک دم چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ادھر یہی حالت بیٹے پر گزری۔ دنیا آنکھوں کے سامنے اندھیر ہو گئی۔ دیکھا کہ (مولوی باقر) ہاتھ سے اشارہ کر رہے ہیں کہ بس آخری ملاقات ہو گئی اب رخصت ہو اور دیر نہ کرو۔ اس اشارے کے بعد انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ ایسی حالت میں اپنے پیارے اکلوتے بیٹے کے لیے کیا کیا دعائیں مانگی ہوں گی۔ آزاد نے اس وقت لاکھ ضبط کیا لیکن نہ ہو سکا اور وہاں سے روتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ‘‘(۲۴)

۱۸۵۷ء کے واقعات آزاد کے غیر مطبوعہ رسائل میں موجود ہیں۔ بیشتر مقام پر منتشر تصاویر ہیں جن میں ربط پیدا کرنا مشکل ہے لیکن ان سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ آزاد کے لاشعور میں یہ پر اذیت تصاویر عالم جنون میں کس طرح ابھرتی ہیں۔ باپ سے ملاقات کا ایک منظر آزاد تحریر کرتے ہیں۔

> ’’میں نے کہا یا اللہ خیر۔ ہے ہے گھر کا گھر ہے۔ پیچھے ایک پربیہ، میں نے کہا ارے بھئی تو کیونکر؟ اس نے کہا۔ انہی کو لینے گئے تھے۔ بیٹا اٹھ کر دوڑا۔ ہمارا سر گلے سے لگا لیا۔ اے آفرین تیری وفا پر ابّا جان! دیکھتے ہو! یہ آگ برستی ہے۔ اور یہ آیا ہے (یعنی پروفیسر آزاد) اللہ تیری جان کا نگہبان انہوں نے کہا۔ ہم کیا کریں۔ یہ کہہ کر دونوں روئے۔ یا اللہ تو انہیں بچا لے۔ یا اللہ چھ مہینے کی بچی گود میں ہے۔ اللہ اسے بچا۔ اس پر کون ترس کھائے۔ ‘‘(۲۵)

یہ ہیں وہ تصویریں جو بالآخر غالب آئیں تو آزاد کا پرسونا بکھر کر رہ گیا۔ ان تصویروں کی تلخ یادیں، ان کی شخصیت میں برطانوی حکومت سے مفاہمت کے کردار کی مسلسل مذمت کرتی رہیں۔ اسی وقتی مفاہمت نے شخصیت کے تضادات کو خاموش کر دیا تھا مگر آزاد جانتے تھے کہ ظالم اور قاتل حکمرانوں کے ساتھ وہ مجبور ہو کر مفاہمت کر رہے ہیں۔ ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ قاتلوں کی اس خدمت نے انہیں ۱۸۶۲ء کے بعد بننے والے پرسونا سے بھی نفرت دلائی ہو گی جس کا لاوہ مسلسل امڈتا رہا اور بالآخر یہ سارے تضادات انہیں جنون کی خوفناک منزلوں کی طرف لے گئے، جہاں سے واپسی کے لیے ان کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ اور آزاد بیس برس سے زائد عرصے تک اس راستے پر چلتے ہوئے راہی ملکِ عدم ہوئے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، محمد حسین آزاد (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۶ء) ج۔۱، ص۳۳۶

۲۔ ڈاکٹر محمد صادق، آب حیات کی حمایت میں اور دوسرے مضامین (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء) ص ۵۷۔۵۸

۳۔ مذکورہ حوالہ

۴ نقوش، شخصیات نمبر

۵۔ آغا محمد باقر، مرتب مقالات مولانا محمد حسین آزاد (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء) ص ص۔۴۱۔۴۳

۶۔ ۱۸۶۵ء میں آزاد برطانوی حکومت کی طرف سے وسط ایشیا کے سیاسی و فوجی حالات اور روس کی دراندازی کا جائزہ لینے کے لیے ایک خفیہ مشن پر گئے تھے۔ اس مشن کی تفصیلات کے لیے دیکھیے آغا محمد اشرف، انیسویں صدی میں وسط ایشیا کی سیاحت، شائع کردہ ہمدرد اکیڈمی، کراچی، س۔ن (۱۹۶۰ء)

۷۔ محمد اسلم فرخی، محمد حسین آزاد (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۶ء) ج۔۱، ص۳۴۳، ۳۴۴

۸۔ آغا محمد اشرف، آب حیات کے لطیفے (لاہور: شیخ مبارک علی، ۱۹۳۹ء) ص۱۰۴۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں آغا باقر کے تحریر کردہ آزدا کے سوانحی حالات درج ہیں اور حصہ دوم میں آغا طاہر نے ''آب حیات'' کے لطائف کا انتخاب کیا ہے۔

۹۔ آغا محمد اشرف، مرتب: سیر ایران (لاہور: کریمی پریس ۱۹ء) ص۹

۱۰۔ آب حیات کے لطیفے، ص۱۰۰

۱۱۔ آب حیات کی حمایت میں، ص۱۱۵

۱۲۔ ڈاکٹر محمد صادق، محمد حسین آزاد۔ احوال و آثار (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۶ء) ص۲۸۳

۱۳۔ آب حیات کی حمایت میں، ص ۱۱۵

۱۴۔ محمد حسین آزاد، احوال و آثار، ص۲۸۳

۱۵۔ آب حیات کی حمایت میں، ص۲۳۲۔۲۳۳

۱۶۔ محمد حسین آزاد، احوال و آثار، ص۲۸۶

۱۷۔ مذکورہ حوالہ، ص۲۸۷

۱۸۔ آب حیات کی حمایت میں، ص۱۲۵۔۱۲۶

۱۹۔ فرخی، ج۔۱، ص۔۳۵۰

۲۰۔ مقالات مولانا محمد حسین آزاد، ج۔۱، ص۔۳۵۔۳۶

۲۱۔ آغا سلمان باقر، محمد حسین آزاد کا عالم وارفتگی (مکتبۂ عالیہ، ۱۹۸۷ء) ض[ ]

۲۲۔ مذکورہ حوالہ ۹۹

۲۳۔ آب حیات کی حمایت میں

۲۴۔ آبِ حیات کے لطیفے۔ ص۴۵۔۴۶

۲۵۔ محمد حسین آزاد کا عالم وارفتگی، ص۸۱۔۸۲